کشمیر کا ایک مشہور سنت کوی

میرزہ کاک

(کاک صاحب)

مصنفہ

سروانند کول پریمی کاشمیری

موضع صوف ڈاک خانہ کوکرناگ (کشمیر)

 قیمت [illegible] روپیے

ترتیب

"میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے ایک میٹھا سپنا دیکھا۔ کوئی مجھے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا تھا اور اُونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ابے جاگ۔ اس گہری نیند سے جاگ۔ اُٹھ کمر باندھ اور میرا کام کر۔ اب وقت آن پہنچا ہے۔ قلم اُٹھا اور لکھتا جا۔ میں نے کروٹ بدلی اور ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

میں گہری نیند سے جاگ پڑا اور لکھنے لگا۔ ننھی وِجے میرے سامنے کھیل رہی تھی۔

پریمی

پیش لفظ

سوامی میرزہ کاک جی ایک اُمّی پرسدھ مہاتما ہو گذرے ہیں۔
یُوں تو آپ کا وطن مالوف ہانگل گنڈ ہے جو علاقہ برنگ میں کوکرناگ
کے پاس ایک پُرفضا گاؤں ہے۔ لیکن سرینگر کے بہت سے ہندو گھرانوں
میں آپ کا آنا جانا رہا ہے اور سرینگر کے کئی لوگ آپ کے حلقۂ ارادت
میں شامل تھے اور کئی موقعوں پر معرفت کے شیدائی آپ کی خدمت میں
حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ سادگی مجسم تھے اور دن رات آپ سمادھی میں رہتے
تھے۔ آپ پٹھانوں کے آخری دور کی پیداوار ہیں اور آپ کے کلام سے اس دور کے
سماجی اور رُوحانی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

آپ کے کلام میں جامعیت کُوٹ کُوٹ کر بھری پڑی ہے۔ یوگیشوری
لل دید اور مہر عرفاں نورالدین ولی کے کلام کی جھلکیاں آپ کے شلوکوں
میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ آپ اختصار پسند تھے۔ ایک لفظ کہہ کر
ایک کتاب کے مضمون کو نبھاتے تھے۔ کسی بھگت نے آپ سے پُوچھا کہ
مہاراج مایا سے کیا مُراد ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "مایا کو چھپا جانو۔" بھگت
نے مزید تشریح کی التجا کی۔ بولے "چھپا کو کھا جانو۔" اس سے بھگت کی

تشفی ہوئی اور وہ پیروں پڑا۔

کشمیر کی ثقافت کے بیش بہا خزانے اور انمول موتی پریشاں حالت میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان قیمتی چیزوں کا کھوجنا ہر پڑھے لکھے کشمیری کا فرض اوّلین ہے۔

میں پریمی جی کی اس کوشش کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے چند بکھری ہوئی چیزوں کو یکجا کر کے کشمیری کلچر کی بہترین خدمت سرانجام دی ہے اور نوجوان طبقہ کو ان سے رُوشناس کرایا ہے۔

آئے دِن ہماری پود میں اپنے آبائی رُوحانی قدروں اور اخلاقی معیاروں سے ناآشنا ہونے کا جو رُجحان پایا جاتا ہے اُس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کے سامنے مادی نصب العین رکھا ہے۔ ہمارے بچے دُنیا بھر کے بچوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ ان کا وِرثہ زیادہ شاندار ہے۔ لیکن اس عمرانی اور ثقافتی ورثہ سے انہیں روشناس کرانے کی بہت ضرورت ہے۔

پریمی جی کی کوشش اس کمی کو پُورا کرنے کی طرف ایک قابلِ تقلید قدم ہے۔ اس کتابچہ سے ہماری اولاد کو کافی استفادہ ہونے کی توقع ہے۔

۲۲ر اپریل ۱۹۶۰ء

جیالال کول ناقلر
رشی نواس سرینگر

دوبائیں

کشمیر جنت نظیر ہے۔ نہ صرف اپنی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے بلکہ ہماری اس سرزمین نے ایسی ایسی مشہور ہستیوں کو جنم دیا ہے جن کی بدولت کشمیر آج تک اپنا سر فخر سے اونچا رکھے ہوئے ہے۔ ہمارے ملک میں نہ صرف بڑے بڑے فلاسفر، عالم، سیاست دان اور حکمران ہی پیدا ہوئے بلکہ ایسی روحانی ہستیاں بھی پیدا ہوئی ہیں جن کے روحانی کمالات آج کل کی سائنسی دنیا میں بھی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ عارفوں اور صوفی شاعروں نے نہ صرف اپنا نام ہی زندہ رکھا بلکہ آنے والی پود کے لئے اپنی حیات اور اپنے کلام کو مثلِ مشعل روشن کر کے رکھ دیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیئے اخوت، پریم، برادری، یکسانیت، رواداری اور مذہبی یگانگت کی جیتی جاگتی تصویریں چھوڑ دیں۔ للہ دید، ارنہ مال، روپہ بھوانی اور حبہ خاتون جیسی مشہور خواتین، بابا نورالدین صاحب ولی (نند ریشی) پرمانند اور میرزہ کاک وغیرہ جیسے صوفی شاعر کشمیر جنت نظیر کی پاک سرزمین کی ہی پیداوار ہیں۔

للہ دید، ارنہ مال، روپہ بھوانی، حبہ خاتون، نندہ ریشی اور پرمانند وغیرہ کا کلام تو کسی نہ کسی شکل میں لوگوں کے سامنے آ ہی چکا ہے اور بہت حد تک ان کی سوانح عمری سے بھی لوگ واقف ہیں۔ مگر جہاں تک میرزہ کاک کا تعلق

ہے، ان کی زندگی اور ان کے کلام سے ماسوائے چند ایک، اکثر کشمیری ناواقف ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میرزہ کاک جو کہ کاک جی کے نام سے ہی مشہور ہیں، ایک بہت بڑے باکمال، روحانی ہستی اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے معجزے اور روحانی کمالات لاثانی ہیں۔ ان کی شاعری گیان اور روحانیت کا بھنڈار ہے۔

پچھلے سال جنوری کے دنوں میں جب میں روپہ بھوانی کی مختصر سوانح عمری ترتیب دے رہا تھا تو سرینگر میں کئی دوستوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ میرزہ کاک کون ہوتے ہیں ؟ مجھے اُن کے اس استفسار پر بڑی حیرت ہوئی کہ کیا یہ لوگ کاک جی کے نام سے بھی ناواقف ہیں۔ اسی طرح اور بھی کئی دوستوں سے یہی سوال سُنتا رہا۔ جہاں بھی مجھے موقعہ ملا، میں ان لوگوں کی تھوڑی بہت تشفی کرتا رہا۔ مگر اُن ہی دنوں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میرزہ کاک کی مختصر سی سوانح عمری لکھ کر لوگوں کا کاک جی سے تعارف کراؤں۔ میں نے اس سلسلے میں کام شروع کیا اور ضروری مواد فراہم کرنے میں لگ گیا۔

کئی وجوہ کی بنا پر آج تک میرزہ کاک کے حالاتِ زندگی اور کلام چھپنے سے رہ گیا تھا، اس لئے عام لوگ بھی ان کے کلام سے آج تک محروم رہے۔ جوں ہی میں نے روپہ بھوانی کتابچے میں میرزہ کاک کے مختصر حالاتِ زندگی شائع کرنے کا اعلان کیا تب سے آج تک برابر مجھے لوگوں کے خطوط اور تقاضے آتے رہے اور مجھ سے پوچھ تاچھ ہوتی رہی کہ کتاب کب شائع ہوگی۔ لوگوں کی اس پیاس اور مانگ کو دیکھ کر میں نے اخبار "مارتنڈ" کے ذریعے میرزہ کاک کے متعلق کچھ قسطوں میں

لوگوں کو تھوڑی بہت واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اس پر مجھے حوصلہ افزا آرائ موصول ہوتی رہیں۔

آج کے مبارک دن پر مجھے یہ کتاب ناظرین کی بھینٹ کرنے میں ازحد مسرّت ہوتی ہے۔ میری یہ محنت کہاں تک کامیاب رہی ہے، اس کا فیصلہ ناظرین ہی کریں گے۔ پروفیسر جیالال کول صاحب ناظر نے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے جس کیلئے میں کافی ممنون ہوں۔ اُن تمام دوستوں کا شکریہ ادا کئے بغیر اپنا کام نامکمل سمجھوں گا جنہوں نے بھی مجھے اس نیک کام میں تعاون بخشا۔ شری پُشکرناتھ تکو کا میں ازحد مشکور ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے عبارت کی نظر ثانی فرمانے کی تکلیف گوارا کی۔

صوف۔ شکروار ۱۳ مئی ۱۹۶۰ء
(جیٹھ کرشنا دُوتیا)

سروانند کول پریمی کاشمیری

پیدائش اور بچپن

اکثر دیکھا گیا ہے کہ کشمیر میں جتنے بھی بڑے بڑے سنت، عارف یا شاعر اور صوفی ہو گذرے ہیں، ان میں سے بہتوں نے یا تو دیہات میں ہی جنم لیا ہے یا دیہات میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گذارا ہے۔ للہ دید یا للہ عارفہ سیم پور (پانپور) میں جنمی تھی۔ روپہ بھوانی اگرچہ سرینگر میں جنمی تھی مگر اپنی زندگی کا قیمتی اور بیشتر حصہ چشمہ صاحبی، لار، منی گام اور وانٹک کنڈ (واسکورہ) وغیرہ دیہات میں ہی گذارا۔ پرمانند (پنڈت نندہ رام) مٹن میں پیدا ہوئے تھے اور وہاں ہی اپنی ساری عمر گذاری۔ شاعرہ حبہ خاتون چندہار کی ایک غریب دیہاتی گھرانے کی ہی لڑکی تھی۔ اسی طرح شیخ نورالدین ولیؒ (نُند ریشی) کیموہ کے رہنے والے تھے اور چرار شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ شری میرزہ کاک کی جنم بھومی کا شرف بھی ایک گاؤں کو ہی حاصل ہوا ہے۔ ان کی جائے ولادت کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ کئیوں کا خیال ہے کہ میرزہ کاک موضع اچھگن (تحصیل پلوامہ) میں پیدا ہوئے ہیں اور بہتوں کی اٹل رائے یہ ہے کہ ہانگل گنڈ ہی ان کی جائے ولادت ہے۔ ان دونوں گاؤں کو میرزہ کاک کے بچپن سے کافی گہرا تعلق رہا ہے۔ چونکہ میرزہ کاک ہانگل گنڈ میں ہی پلے بڑھے، یہاں ہی انھوں نے اپنی ساری عمر گذاری۔ یہیں سے ان کی رُوحانیت کی دھارا بہہ نکلی اور یہاں ہی ان کا جنم دن منایا جاتا ہے اور ان کی برسی پر بھی یہاں ہی ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ اس آدھار پر اور بزرگوں اور لوک کتھاؤں

کی بنا پر بھی یہی ماننا پڑتا ہے کہ میرزہ کاک کی جنم بھومی ہانگل گنڈ ہی ہے۔

ہانگل گنڈ سری نگر کوکرناگ روڈ پر اننت ناگ سے کوئی تیرہ میل دُور اور کوکرناگ سے کوئی میل بھر نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کی آبادی ہے۔ ہانگل گنڈ نام کا کوئی گاؤں محکمۂ مال کے کاغذوں میں درج نہیں ہے، البتہ یہ گاؤں ان کاغذوں میں بڈر حیات پورہ کے نام سے موسوم ہے۔ آخر اس چھوٹے گاؤں کا نام ہانگل گنڈ کیسے پڑا؟ اس بارے میں بھی بہت سی کتھائیں مشہور ہیں، مگر اصلی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پر ہندوؤں کی ہنگلا دیوی کی متبرک ستھاپنا ہے۔ اسی دیوی کے نام پر اس کا نام ہنگلا گنڈ پڑا ہے جو کہ بعد میں بگڑ کر ہانگل گنڈ کہا جانے لگا۔

اسی ہانگل گنڈ میں لسہ پنڈت نامی ایک برہمن رہا کرتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے اور کئی لڑکیاں تھیں۔ بڑے لڑکے کا نام بھولہ پنڈت اور چھوٹے کا نام میرزہ پنڈت تھا۔ یہی میرزہ پنڈت بعد میں میرزہ کاک اور کاک جی کے نام سے مشہور ہوئے۔ میرزہ کاک کا جنم پوہ شکل پنچ اکدوسموت ۱۸۰۵ بکرمی میں ہوا ہے؛ آج کل بھی عام رواج کے مطابق اس مبارک دن پر ہانگل گنڈ کے تمام ہندو گھرانوں میں ایک خاص" زرد بھتہ " (تہر) پکائی جاتی ہے اور اس طرح سے میرزہ کاک کا جنم دن منانے کی یہ رسم انجام دی جاتی ہے۔

کہتے ہیں بھولہ پنڈت کی ایک ماسی اچھن (تحصیل پلوامہ) میں بیاہی گئی تھی اور بیاہ کے بہت مدت بعد تک اُس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اُس پر

اُس نے بہت منّت سماجت کر کے اپنی بہن کے دوسرے لڑکے میرزہ پنڈت کو متبنیٰ لے کر اس کو اپنا ہی بیٹا سمجھ کر پالا پوسا۔ چونکہ اُن دنوں آج کل کی طرح مدرسے اور اسکول جگہ جگہ جاری نہیں تھے، البتہ مکتبوں میں فارسی اور "پنڈتوں" کے پاس سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنے کا واحد طریقہ تھا، مگر پھر بھی اُس کو کسی آخون یا "پنڈت" کے پاس جا کر فارسی یا سنسکرت کی اچھی خاصی تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ اچھن میں وہ اپنی ماسی (جو کہ اب اُس کی ماں تھی) کا گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتوں میں جا کر چھوٹے چھوٹے کام سنبھالتا — ابھی کاک جی کی عمر چھوٹی ہی تھی کہ یہاں پہ اُس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا اور گھر میں صرف میرزہ پنڈت اور اُس کی ماں رہ گئیں۔ بچپن کا کچھ تھوڑا بہت وقت تو باپ کی موجودگی میں ذرا تسکین سے گذارا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اب گھر کی تمام ذمّہ داری میرزہ پنڈت پر ہی آن پڑی۔ اپنی ماں کا بھی گھر میں ہاتھ بٹاتا اور دن بھر کھیتی باڑی کے کام میں جُٹ جاتا۔ ہر طرف سے یاس و حسرت کا عالم، بے چارے کو پڑھنے لکھنے کا موقعہ ہی کہاں ملتا! پڑھنا لکھنا تو درکنار، گاؤں میں کسی کی دِلی ہمدردی بھی نہیں تھی۔ ہمدردی ہوتی بھی کِس کو؟ سب سمجھتے تھے کہ لڑکا تو ہے دوسرے گاؤں کا، اس لئے یہ ایک قدرتی بات تھی۔ بے چارا دن بھر اکیلا کھیتوں میں کام کرتا، ہل جوتتا وغیرہ۔

اچھن میں شری جگن ناتھ جی اور دیوی کا پوتر ستھان ہے۔ کسی طرح میرزہ پنڈت اس طرف کھنچ گیا اور پھر اسی میں کسی کو اپنا نہ پا کر اکیلے ہی جنگلوں میں سر

جھکایا۔ دھیرے دھیرے بھگوان کو ہی اپنا سب کچھ جان کر دِن رات اسی دُھن میں لگا رہتا۔ ابھی عُمر بھی چھوٹی تھی۔ دِل ابھی سنساری بندھن میں نہیں پھنسا تھا صرف ایک ماں تھی جس کے ساتھ اس کا یہاں پر لگاؤ تھا۔ کئی برس اسی طرح بیت گئے اور دھیرے دھیرے میرزہ پنڈت کو کچھ رُوحانی تسکین سا محسوس ہونے لگا۔ پربھو بھگتی میں دِن دِن مکمل یقین اور نشچے بڑھتا گیا اور اس کو اپنے آبائی پیشہ زمین داری میں جُٹنے پر بھی بھگوان کا خیال دِل سے ایک لمحہ کے لئے بھی دُور نہ ہوتا۔ گاؤں کے لوگ اس کو ایک چھوٹے کسان لڑکے کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔ میرزہ پنڈت خُدا کی راہ میں جو بھی کام کرتا، پوشیدہ طور ہی کیا کرتا۔ کسی کو اس کے اندرونی رُوحانی معاملات کا شُبہ تک نہ تھا۔ قُدرت بھی کسی اور انتظار میں تھی۔ میرزہ پنڈت کا یہ ایک آزمائشی اور اوّلین دَور تھا۔ کھیتی باڑی میں جی جان سے جُٹ جاتا اور اپنی ماں کی خدمت بھی اٹوٹ سیوا بھاؤ سے کرتا۔

بھگوتی کی کرپا

میرزہ پنڈت دِن بھر کھیتوں میں کام کرتا رہتا۔ کاشت کاری ہی آمدنی کا واحد ذریعہ تھا۔ اس کے پاس سوائے اس کام کے اور کوئی دوسرا دھندا تھا ہی نہیں۔ عمر بھی کوئی خاص زیادہ نہ تھی۔ کافی محنت اور مشقت کرنا پڑتی تھی۔ اس کی ماں روز اس کے لئے دوپہر کا کھانا کھیتوں پر ہی لاتی۔ کھیت پر میرزہ پنڈت جہاں اپنے کام سے جی جان سے جُٹ جاتا وہاں دیوی کے چرنوں کا دھیان ایک لمحہ کے لئے بھی اس

کے دل سے ہرگز نہیں چھوٹتا۔ دیوی کو بھی میرزہ پنڈت جیسے کم سن بھگت پر نظر کرم کرنا ہی تھی۔ وہ بھی کیسے اسکی اٹوٹ بھگتی سے متاثر نہ ہوجاتی! ایک روز میرزہ پنڈت کی ماں دوپہر کا کھانا کھیت پر لانا ہی بھول گئی۔ ادھر میرزہ پنڈت بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ سورج کی تپش اور پھر کام بھی مشکل۔ تھکان اور بھوک سے میرزہ پنڈت کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر ایک درخت کے چھاؤں تلے آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ دل میں سوچ رہا تھا آخر کیا بات ہے کہ ماں آج کھانا لانا ہی بھول گئی ہے۔ وہ اسی خیال میں ڈوبا تھا کہ آنکھ جھپک میں بھگوتی اس کی ماں کا روپ دھارن کرکے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں کھیر سے بھری ایک تھالی تھی۔ میرزہ پنڈت اس کو اپنی ہی ماں سمجھ کر کھیر کھانے کی تیاری جو کرنے لگا تو بھگوتی کہنے لگی ـــ" بیٹا تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ آؤ میں ہی جلدی جلدی کھلائے دیتی ہوں۔" میرزہ پنڈت بھی مان گیا۔ بھگوتی نے اپنے ہاتھوں سے کھیر اپنے پیارے اور سچے بھگت کو کھلا دی۔ اور جھٹ انتر دھیان ہوگئی۔ کھیر کھا چکنے کے بعد میرزہ پنڈت پر ایک عجیب قسم کی حالت طاری ہوگئی۔ مانو اس کی آنکھوں کی بینائی پہلے سے تیز ہوگئی ہو۔ اس کے چہرے پر کا جلال ابھر آیا۔ اس پر ایک خاص قسم کی روحانی کیفیت طاری ہوگئی اور آج اسے ماں کے پیار اور محبت میں پہلے سے کہیں زیادہ مٹھاس دکھائی دینے لگی۔ کھیر کی چاشنی اور مٹھاس نے اس کا دماغ معطر بنا دیا۔ اس پر لطف یہ کہ میرزہ پنڈت کو یہ دھیان بھی نہ رہا کہ اس کی ماں کب اور کس راستے سے چلی گئی۔ آخر بھگوتی اپنے سچے اور

پیار سے کم سن بھگت کو بھوک سے کراہتے کب تک دیکھتی رہتی ! اُسے خود کھلانے
کے لیے آنا پڑا۔ مرزہ پنڈت کو اس کا بالکل بھی خیال نہ آیا۔ وُہ سمجھا کہ اُس کی اپنی
ماں ہی کھانا لے کر آئی ہے۔

اس واقعہ کے کوئی گھنٹہ بھر بعد مرزہ پنڈت کی اصلی ماں کھیت پر کھانا لے کر
آئی۔ دُور سے ہی اپنے بیٹے کو کھانا کھانے کے لیے پُکارنے لگی۔ مرزہ پنڈت کام میں
مشغول تھا۔ ماں کے کئی بار بُلانے پر جب کچھ جواب نہ دیا تو اُس کی ماں سمجھ گئی کہ
بیٹا رُوٹھ گیا ہے۔ وہ خود شرمندہ تھی۔ نزدیک جا کر وہ کافی منت سماجت کرنے لگی۔
اور اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔ آخر بیٹے نے کہا۔ "ماں میرا پیٹ بھرا ہے۔ آخر
تم جو ابھی ابھی کھیر کی تھالی لائی تھی۔ مجھے اب اور کھانے کو جی نہیں کر رہا ہے ...
... " ماں قسمیں اُٹھانے لگی کہ میں تو پہلی بار آ رہی ہوں۔ اس سے پہلے تو میں یہاں
آئی ہی نہیں۔ تم کیا کہہ رہے ہو ؟ " ماں کو اب یہ شک گذرا کہ بیٹا بہت ناراض
ہے اور دیر سے کھانا پہنچنے کے لیے مجھ پر غصہ نکال رہا ہے۔ وہ برابر قسمیں
اُٹھاتی رہی کہ میں ہرگز نہیں آئی تھی۔ میرزہ پنڈت نے بھی دیوی کی سوگند کھا کر کہا
کہ مجھے تو ابھی ابھی کسی نے کھیر کی تھالی اپنے ہاتھوں کھلائی ہے ... ... معاً
اُسے خیال آیا کہ بھگوتی ہی میری ماں کا روپ دھارن کر کے آئی ہو گی ... ... اس
خیال سے کہ ماں پر یہ بات آشکارا نہ ہو۔ جھٹ ہاتھ دھو کر ماں کا لایا ہوا کھانا کھا
گیا اور چپ چاپ کام میں پھر جُٹ گیا۔ ماں کو بھی تسلی ہوئی اور واپس گھر لوٹی۔
میرزہ پنڈت دل ہی دل میں بھگوتی کے سجدے کرتا رہا۔ یہ بھگوتی کی میرزہ پنڈت

پر اولین نظرِ کرم تھی۔ اچھن میں اس وقت بھی ایک کھیت کا ٹکڑا "میرزن ہور" کے نام سے مشہور ہے۔

واپس بھائی کے پاس

بھگوان کی مرضی کچھ اور ہی تھی۔ وہ میرزہ پنڈت کو صحیح راستے پر لگانا اور دُنیاوی بندھنوں سے آزاد رکھنا چاہتا تھا۔ آخر کیا ہُوا کہ اُس کی ماں بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔ میرزہ پنڈت اچھن میں اب بالکل اکیلا رہ گیا۔ ناچار اچھن کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر ہانگل گنڈ اپنے بڑے بھائی کے پاس لوٹ آیا۔ بڑے بھائی بھولہ پنڈت نے کمال شفقت اور برادرانہ محبت سے گلے لگایا۔ گھر میں اس کی ہر طرح سے آرام و آسائش بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ چونکہ اُس کو یہ علم تھا ہی کہ اُس کا چھوٹا بھائی خدا کی راہ کا راہی ہے۔ لہٰذا اُس نے میرزہ پنڈت کو گھر کی تمام تر ذمہ داریوں سے آزاد رکھا۔ مگر میرزہ پنڈت تو کام کرنا چاہتا تھا۔ بے کاری نام کی کوئی چیز اُس کے دماغ میں کبھی آئی ہی نہ تھی۔ وہ خوب کام کرتا رہتا۔ گھر کا کام، کھیتی باڑی کا کام، اور پھر رازداری سے ریاضت کا کام۔ الغرض میرزہ پنڈت لمحہ بھر بھی بیکار نہ بیٹھتا۔ رات کو بھی بہت کم سوتا۔ کہتے ہیں کہ کٹھن تپسیا کے دنوں میں وہ ساری رات جاگتا رہتا۔ گھر میں بہت سادگی سے رہتا؛ اور باہر بھی کمال سادگی برتتا؛ تاکہ کسی کو اس کی رُوحانی عظمت کا پتہ نہ لگ جائے۔

دن دِن بڑھتا گیا۔ میرزہ پنڈت بھی اپنے راستے پر گامزن آگے ہی آگے

بڑھتا رہا۔ اُس کی رُوحانی طاقت بھی بڑھتی گئی، اور دھیرے دھیرے اُس کی پارسائی، ریاضت اور عظمت کا چرچا بھی پھیلتا گیا۔ ایک روز میرزہ پنڈت کھیتوں میں ہل جوت رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ گرمی بہت پڑ رہی تھی۔ کچھ تھکاوٹ اور کچھ سُورج کی تپش محسوس ہوئی۔ اور منڈھیر پر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ اتنے میں ایک کوّا ہل کی موٹھ پر بیٹھا۔ بیل ہل کھینچتے گئے۔ موڑوں پر بیل خود مُڑ جاتے۔ کوّا ہل پر بیٹھا رہا۔ میرزہ پنڈت آرام میں مست تھا۔ کچھ دیر بعد آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہے کہ سارا کھیت جت گیا ہے۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کوّے سے مخاطب ہوا۔ "اچھا بھئی اب جاؤ، اب میں خود ہل سنبھالوں گا۔" کوّا اُڑ گیا۔ نزدیک میں کچھ لوگ یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے دانتوں میں اُنگلی دبائی۔ گاؤں میں آکر ہر ایک کو یہ کہانی سُنائی۔ اور سارے علاقے میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی۔ اسی طرح سے اور بھی کئی ایسے ہی معجزے میرزہ پنڈت سے منسوب ہیں۔ اب میرزہ پنڈت میرزہ کاک کہا جانے لگا۔ لوگ اس کو کافی عزّت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور دُور دُور سے لوگ اس کے درشن کو بھی آنے لگے۔

جہاں میرزہ کاک رُوحانی بلندیوں پر پرواز کرنے لگا وہاں اس میں حد درجے کی سادگی آتی رہی۔ لباس میں سادگی، تقریر میں سادگی اور کھانے پینے میں بھی سادگی۔ اس لئے کوئی عام آدمی اُس کو پہلی نظر میں رُوحانی شخصیت سمجھ نہیں پاتا۔ میرزہ کاک روزانہ بلاناغہ پُوجا پاٹھ کیا کرتا۔ اپنے گھر میں ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اس کے پوجا پاٹھ کے لئے مخصوص تھا۔ شہر دھا کھلتی تو اس میں اعلیٰ درجے

کی تھی۔ اس کے ٹھاکرُ دوار میں کسی کو اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ کہتے ہیں ایک روز جب کہ مرزہ کاک پُوجا اور دھیان میں مگن تھا، اس کی بہن نے مرزہ کاک کو کچھ ضروری پیغام دینے کے لئے بے دھڑک ٹھاکرُ دوار کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ کمرے میں چاروں طرف نُور برس رہا ہے۔ مانو سُورج اس کمرے سے ہی چڑھ آیا ہے۔ ایک خوبصورت چوکی پہ رام، لچھمن اور سیتاجی براجمان ہیں اور مرزہ کاک ان کی آرتی اُتار رہا ہے۔ اس کی بہن غش کھا کر اوندھے مُنہ گر پڑی۔ مرزہ کاک نے جھٹ دروازہ بند کر کے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ جب اس کی بہن نے ہوش سنبھالا تو کیا دیکھا کہ چوکی پہ ماسوائے چند سالگراموں کے اور کچھ بھی تھا نہیں۔ مرزہ کاک سے پُوچھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ رام، لچھمن اور سیتاجی کہاں گئے۔ یہ بات بھی آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔

بیگار اور پھر بھگوتی

مرزہ کاک کی عمر بھی اب کافی تھی۔ رُوحانیت کے سمندر کا پُورا غوطہ زن تھا۔ دُور دُور تک اس کی مشہوری ہو گئی۔ اس کی بہت ہی عزّت اور سیوا ہونے لگی۔ مرزہ کاک اب کامل سنت اور خدا دوست مانا جانے لگا۔

اُن دنوں کشمیر میں بیگار کا رواج تھا۔ چونکہ لاری، موٹر اور تانگوں کا سلسلہ نہ تھا۔ دیہات سے چیزیں شہر (سرینگر) پہنچانی ہوتیں تو لوگوں سے بیگار لیا جاتا تھا۔ حکومت اس علاقے سے چاول سرینگر لے جایا کرتی تھی۔ اس گاؤں سے بھی ایک ایک نفر کو دس ترک یعنی تقریباً ڈیڑھ من چاول سرینگر پہنچانے ہوتے تھے ہر گاؤں میں

ایک ایک پٹھان بیگار آفیسر متعین تھا اور علاقے بھر کا ایک ہیڈ بیگار آفیسر ہوتا
تھا۔ ایک روز پٹھان نے مرزہ کاک کے نام بھی پروانہ جاری کر دیا۔ لوگوں نے
پٹھان افسر سے کافی منت سماجت کی کہ مرزہ کاک کو اس بیگار سے بری کیا جاوے۔
کیونکہ وہ خدا دوست ہے۔ مگر پٹھان نے ایک نہ سُنی۔ آخر ایک روز پو پھٹنے
سے پہلے ہی مرزہ کاک دس ترک چاول پیٹھ پر لادے سرینگر کی طرف چل پڑا۔ کوئی
دس میل دُور اچھہ بل کے نزدیک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر مرزہ کاک بوجھ اُتار کر
ایک طرف تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ اچانک اُس نے سامنے
سے ایک نوجوان خوبصورت لڑکی اپنی طرف آتی ہوئی دیکھ لی۔ نزدیک بیٹھ کر لڑکی
نے پُوچھا۔ "بب (بابا) بیگار پر کس نے لگایا ہے۔ آؤ میں یہ چاول سری نگر
پہنچائے دیتی ہوں؟" مرزہ کاک جھٹ بھانپ گیا کہ لڑکی تو بھگوتی کا اوتار ہے
من سے ہی پرنام کر کے بولا۔ "دیوی مجھے تو سرینگر گھاٹ سے اپنے نام کی رسید
لا کر پٹھان افسر کو پیش کرنی ہے۔" لڑکی نے ایک رسید مرزہ کاک کو پکڑا کر کہا
"یہ لو رسید اپنے نام کی اور جاؤ واپس۔" اتنا کہہ کر لڑکی بھی غائب ہوئی اور
چاولوں کی بوری بھی۔ مرزہ کاک رسید لیکر واپس لوٹا اور دوپہر سے پہلے ہی ہانگل گنڈ
واپس پہنچا۔ گاؤں والے سرینگر گھاٹ کی مرزہ کاک کے نام کی اُسی تاریخ کی رسید دیکھ کر
ششدر و حیران رہ گئے اور مرزہ کاک کے پیروں پڑے۔ پٹھان کے پاس جب رسید
پہنچائی گئی وہ آگ بگولا ہو کر کہنے لگا کہ یہ کوئی جادوگر ہے۔ اس نے علاقے کے ہیڈ
کو اطلاع دی۔ پُوچھ تاچھ کی گئی اور سرینگر گھاٹ کے ریکارڈ سے اس رسید کو ملایا

گیا۔ اُسی تاریخ کو مرزہ کاک کے نام سے دس ترک چاول گھاٹ میں داخل ہوئے تھے۔
پٹھان افسر شرمندہ ہوا اور اپنے رویہ پہ بیزار ہو کر مرزہ کاک سے معافی مانگ لی۔
اعلیٰ حاکموں تک بھی یہ خبر پہنچی اور مرزہ کاک کو "شاہِ عارفاں" کا لقب دیا گیا۔
حکومت نے پھر مرزہ کاک کے نام کافی آراضی بطور وظیفہ مقرر کی۔ یہاں یہ بتانا ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ ہانگل گنڈ کے بیسوں گھرانے عوامی حکومت میں خاتمہ چک داری کے
نفاذ ہونے تک اس "دھرم ارتھ" سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ یہ "دھرم ارتھ"
پُشت در پُشت منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔

"گورمنت پل"

اب مرزہ کاک "شاہِ عارفاں" بن کر کشمیر کے کونے کونے میں مشہور ہو گیا۔
لوگ جوق در جوق اس کے درشن کو آنے لگے۔ کچھ لوگ اپنی منتیں پوری کروانے
کے لئے آتے، کچھ اس کی رُوحانی کیفیت کا امتحان کرنے آتے۔ اور کچھ شکھشا لینے
آتے۔ ایک بار سرینگر کا ایک بڑا عالِم مرزہ کاک کا امتحان کرنے کی غرض سے
ہانگل گنڈ آیا۔ اگرچہ وہ بہت پڑھا لکھا تھا اور اُس نے رُوحانی اور مذہبی
کتابوں کا خوب مطالعہ کیا تھا۔ مگر رُوحانیت نام کی کوئی چیز اُسے چھُو تک نہیں
گئی تھی۔ ہاں اس کو اپنے عالِم ہونے کا گھمنڈ ضرور تھا۔ ادھر سے مرزہ کاک
دُنیاوی نظروں میں اگرچہ اَن پڑھ تھا مگر رُوحانیت کے سمندر کا غوطہ زن تھا۔ رواج
کے مطابق وہ سرینگر سے کوئی سیر بھر بادام بھی خرید لایا تھا۔ کیونکہ سنت یا خدا دوست
کے پاس خالی ہاتھ جانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مرزہ کاک اپنے آسن پر بیٹھا تھا۔

کمرے میں باہر سے آئے ہوئے اور بھی بہت سے آدمی مرزہ کاک کی گوہر افشانی سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ یکایک نو وارد نے باداموں کی پوٹلی مرزہ کاک کے سامنے رکھ دی اور خود ایک طرف بیٹھ گیا۔ مرزہ کاک نے باداموں کو ہاتھ نہ لگایا۔ نو وارد پر سر سے پیر تک ایک نظر ڈالی؛ اور اچانک پوچھا:۔ آپ سرینگر سے آئے ہوں گے؟

"جی مہاراج!" نو وارد نے کہا۔ "یہ بادام بھی اپنے ساتھ شہر سے لائے ہیں؟"

"جی مہاراج!" نو وارد نے جواب دیا۔ "آئیے اپنے ہاتھ سے ان کی گریاں نکال کر پرشاد سبھوں میں بانٹ دیجئے!" مرزہ کاک نے کہا۔

"بہت اچھا مہاراج جیسا حکم ہو۔" نو وارد جواب دے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر میں مرزہ کاک نے باداموں کے پورے دو حصے کر لئے۔ ایک حصہ اپنی طرف رکھا اور دوسرا حصہ نو وارد کے لئے رکھ کر اُسے کہا کہ یہ آپ رکھ لیجئے اور اپنی ڈھیری میں سے گریاں نکال کر حاضرین میں بھی بانٹ دیجئے۔

نو وارد ایک ایک بادام توڑتا رہا۔ مگر کسی میں سے بھی گری نہ نکلی۔ سب کے سب خالی نکلے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور سر جھکا کر خاموش رہا۔

مرزہ کاک نے افسوس کا اظہار کر کے نو وارد سے کہا۔ "کہاں سے لئے یہ بادام۔ یہ کس نے دھوکا دیا ہے؟ بادام خریدتے وقت کیا سوچ رہے تھے؟ باہر سے دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں، مگر اندر سے کھوکھلا پن۔"

نو وارد کی پیروں تلے کی زمین جیسے کھسک رہی تھی۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا، مگر کیا کرتا، زبان سے اُف تک نہ کی۔ آخر مرزہ کاک نے کہا۔

"ذرا ان کو بھی تو توڑ ڈالو۔"

نو وارد جس جس بادام کو توڑتا گیا اُس میں سے دو دو گریاں نکل آئیں۔ ایک بھی بادام خالی نہ نکلا۔ حاضرین بھی حیران و ششدر اور نو وارد خود بھی۔ وہ اُٹھا اور مرزہ کاک کے چرنوں میں پڑا۔ خوب رویا اور اپنی پشیمانی ظاہر کر کے معافی مانگنے لگا۔ ایسے کتابی عالموں کے بارے میں مرزہ کاک نے کہا ہے ؎

پوُر مُت گوُ گوُڑ مُت پل ـــــ نہ زِہ حرکت نہ زِہ حرکتی

یعنی پڑھا لکھا (کتابی عالم) ایک اچھے تراشے ہوئے بڑے پتھر کی مانند ہے جو نہ خود حرکت کر سکے اور نہ دوسروں کو ہلا سکے۔ یعنی پڑھا لکھا کتابی گیان والا تو دیکھنے میں بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر نہ اُس نے خود کچھ حاصل کیا ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کو وہ مائل بہ رُوحانیت کرا سکتا ہے۔

یہاں بھی اور وہاں بھی!

ایک بار سرینگر کے کچھ آدمی مرزہ کاک کا درشن کرنے کے لئے ہانگل گنڈ آئے۔ وہ مرزہ کاک کے بھگت تھے۔ اُس کو سرینگر لے جانے کے لیئے ہی آئے تھے۔

مرزہ کاک کے پاس پہنچنے پر ان کی خاطر تواضع چائے سے ہی شروع ہوئی۔ ان بھگتوں کا مرزہ کاک پر مکمل یقین تھا۔ چائے تیار ہوئی۔ پیالے بانٹے گئے۔ تو ان میں سے کسی نے کہا "کہاں وہ بیٹہ یار کے کلچے؟" مرزہ کاک نے یہ شبد سُن تو لیئے مگر کہا کچھ نہیں۔ لمحہ بھر دھیان دے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر آگئے۔ اتنی دیر چائے بھی بانٹی نہیں گئی تھی کہ اب تو ٹوکری لیئے بدوا پس لوٹے تو اپنے ہاتھوں

ہر ایک کو ایک ایک گرم گرم کلچہ پکڑا دیا۔ اور پھر بیٹھے خود چائے پینے۔ شہری بہت حیران ہو گئے۔ کلچے واقعی بڑہ یار والے نانوائی کے ہاں کے تھے۔ دوسرے دن بھگتوں نے مرزہ کاک کو بہت منت سماجت کر کے سرینگر آنے پر رضامند کر دیا۔ بڑہ یار والے نانوائی کے ہاں سے جب گذرے، تو نانوائی دُکان سے باہر نکل آیا اور مرزہ کاک کو پرنام کر کے بولا ــ "بھگوان! آپ کل بہت جلدی میں تھے۔ دو سکینڈ بھی یہاں نہیں رُکے۔" ساتھی بھگت نانبائی کی باتیں سُن کر اور بھی حیرت میں ڈوب گئے کہ بھگوان تو کل ہانگل گنڈ میں تھے، یہاں کیسے آئے اور کب آئے!

مرزہ کاک کی رُوحانی عظمت تو اس درجے تک پہنچ چکی تھی کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک جگہ بھی ہوتے اور دوسری جگہ بھی۔ مرزہ کاک اب کاک جی کے نام سے بھی مشہور ہوا۔

گانگل

کاک جی جب کدل سرینگر کے کسی بھگت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن کنہ کدل کے ایک اور بھگت نے، جو کہ سرکاری خزانے میں اعلیٰ ملازم تھا، منت سماجت کر کے اپنے ہاں لینے پر کاک جی کو رضامند کیا۔ بھگت کافی امیر تھا۔ نوکر چاکر بھی خوب تھے، اس لئے کافی انتظام کیا۔ پہرے داروں کا انتظام رکھا گیا۔ اچھے اچھے پکوان پکنے لگے۔ کافی آرائش و آسائش میسّر کی گئی۔ پروگرام یہ تھا کہ بھگت جی خود کاک جی کو لینے کے لئے جائیں گے۔ ڈیوڑھی پر پہرے دار رکھے گئے اور ان کو ہدایت کی گئی کہ کسی بھی آدمی کو اندر نہ چھوڑا جائے۔ جب تک کہ

سب سے پہلے کاک جی اندر داخل ہوں۔ بھگت جی انتظام میں مشغول تھے۔

ادھر کاک جی سبہ کدل والوں سے بار بار پوچھتے رہے کہ کب کنہ کدل جانا ہے۔ آخر کاک جی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اکیلے کنہ کدل کے بھگت کے گھر گئے۔ کاک جی چونکہ سادہ لباس میں ملبوس تھے، ڈیوڑھی پر موجود پہرے داروں نے کاک جی کو پہچانا ہی نہیں کہ اسی شخص کے لئے اتنا انتظام ہو رہا ہے۔ انہوں نے کاک جی کو روکا اور اندر جانے نہیں دیا۔ کاک جی نے سیدھی سادی زبان میں پوچھا۔ "اندر کیا ہو رہا ہے؟" پہرے داروں نے جواب دیا۔ "وہاں اُن کو کچھ گانگل ہے (کشمیری میں گانگل پریشانی اور مصروفیت کو کہتے ہیں) کاک جی "گانگل"۔ "گانگل" لفظ بولتے واپس سبہ کدل پہنچے اور وہاں بھی کہنے لگے کہ کنہ کدل والوں کو کچھ گانگل ہے۔ عین اسی وقت خزانے میں حساب میں کچھ ہیرا پھیری ہوئی۔ حساب میں کئی ہزار روپے کی نقدی کم ہو رہی تھی۔ بھگت جی خزانے کا اعلیٰ ذمہ وار ملازم تھا۔ پولیس اس کے گھر آئی اور اُسے ہتھکڑی ڈال کر لے گئے۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اتنی دیر سبہ کدل والے یہاں آ گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اب صرف کاک جی کو منوانے اور رِجھانے کے لئے سوچ بچار ہوتا رہا۔ کسی بھی طرح سے کاک جی ان کے ہاں دوبارہ آنے پر رضامند نہ ہوا۔ آخر شام کے وقت کسی کو عجیب حرکت سوجھی۔ بادام اور نبات سے بھرا تھال کاک جی کے پاس لیا گیا۔ کاک جی نے پوچھا۔ "یہ کہاں سے آیا ہے؟" کسی نے جواب دیا۔ "کنہ کدل والے بھگت نے بھیج دیا ہے۔" کاک جی نے پھر کہا۔ "اُن کو جو گانگل تھی گیا اب وہ دور ہو گئی ہے۔" حاضرین نے یک

زبان ہو کر کہا۔ "ہاں۔" کاک جی نے کہا۔ "پھر تو وہاں اب جانا ہی چاہیئے۔"
بالکل اُسی وقت خزانے کا حساب پُورا آ رہا تھا۔ جو رقم گھٹ رہی تھی وہ پُوری
ہو رہی تھی۔ حساب کا فرق نکل آیا اور بھگت جی کو رہا کیا گیا۔ اُدھر سے بھگت جی
بھی آ رہا تھا۔ اِدھر سے کاک جی اپنے چیلوں، بھگتوں اور عقیدت مندوں کے
سمیت بھگت کے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ بھگت جی اور اس کے گھر کے
سارے افراد ایک ایک کر کے اس کے پیروں پہ پڑے۔ اس طرح سے اس گھر
کی گانگل بھی دُور ہو گئی۔

بگہ ڈجی

کاک جی ہانگل گنڈ میں تھے۔ کئی شاگرد، چیلے اور بھگت سامنے بیٹھے گیان
سُن رہے تھے۔ یکایک کاک جی دھیان مگن ہوئے اور اُونچی آواز میں کہنے
لگے۔ "تراہی۔ تراہی۔ تراہی!" حاضرین خاموش ہو گئے۔ کاک جی سبھوں
سے کہنے لگا۔ "اُٹھو، جلدی اُٹھو۔ رعناواری جانا ہے۔ ایک بھگتنی کا انتم سنسکار
کرنا ہے۔" سُننے والے حیران ہو گئے کہ کاک جی کیا کہہ رہے ہیں۔ وضاحت
پُوچھنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ سب تیار ہو گئے اور سرینگر کے لئے چل پڑے۔
رعناواری میں ایک محلہ ہے بگہ ڈجی۔ اس کے اصلی معنی ہیں فحش عورت
جو گری ہوئی ہو۔ اسی فحش عورت کے نام پہ اس محلے کا نام اب تک بگہ ڈجی چلا
آ رہا ہے۔ کہتے ہیں یہاں ایک عورت تھی جو فاحشہ تھی۔ عمر بھر وہ بدچلن رہی۔
اُس کا گھر میں اور کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ زندگی کے آخری ایّام میں وہ

اپنے کیئے پر پچھتاوا کرکے پر اُسچت کر بیٹھی اور پاک زندگی بسر کرنے لگی۔ مگر پھر بھی اس کے گھر میں کوئی بھی آتا جاتا نہ تھا۔ سماج سے نکالی گئی عورت تھی۔ اگرچہ اس نے خوب پچھتاوا کیا۔ پھر بھی ہر ایک اُس کو بُری نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آخر وہ ایک روز اس گھر میں اکیلی دم توڑ گئی۔ اس کا انتم سنسکار کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی اس گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ لاش پڑی رہی۔ بالکل اُسی وقت کاک جی نے دھیان لگایا تھا اور ہانگل گنڈ میں بیٹھے بیٹھے "تراہی تراہی" کرنے لگا تھا۔

کاک جی دوسرے دن رعناواری پہنچا۔ جس گلی سے کاک جی جا گذرے عقیدت مندوں کا ہجوم اُمڈ پڑا۔ کسی کو کچھ کہے بغیر اس عورت کے گھر میں گھس گیا۔ ناچار ہجوم کو بھی مکان میں گھسنا پڑا۔ اور آناً فاناً عورت کا انتم سنسکار انجام لانے کا انتظام کیا گیا۔ اور تب تک کاک جی واپس نہ لوٹے جب تک کہ نہ پوری شان سے "بگہ ڈ جی" کا شریر سپردِ آگ نہ کیا گیا۔

یہ کاک جی کی انتر درشٹی کی واقعی ایک بڑی بھاری مثال ہے!

رامانند بھی آیا!

موجودہ براری آنگن جس کا اصلی نام اُدمانگری ہے، میں کاک جی کے ہم عصر ایک بہت بڑے سادھو رہا کرتے ہیں۔ سادھو باکمال خدا دوست تھا۔ اس کا نام تھا رامانند۔ رامانند ایک سِدھ پرُش تھا۔ اُس کے انیکوں شِشہ تھے۔ اُمانگری میں اُن دِنوں ایک بہت بڑا مٹھ تھا۔ اور رامانند اُس مٹھ کے مٹھ داری تھے۔

جب کاک جی دِن بدن بہت مشہور ہونے لگے تو ایک بار رامانند کو بھی ان کے

پاس آکر رُوحانی بحث و مباحثہ کرنے کا شوق ہوا؛ اور ساتھ ہی وہ کاک جی کا امتحان بھی لینا چاہتے تھے۔ چونکہ رآمانند کے اَن گنت چیلے تھے تو کئی گھوڑ سوار چیلے لے کر رآمانند کاک جی کے پاس آیا۔ بڑی سبھا ہوئی۔ شاستر ارتھ (رُوحانی بحث و مباحثہ) کا انتظام کیا گیا۔ مگر اس سے پہلے چائے نوشی کا انتظام ہوا۔ چونکہ رآمانند کاک جی کے مہمان تھے، اس لیئے کاک جی نے ہی انتظام کروانا چاہا۔ مگر رامانند بضد رہا اور اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ فی الفور چائے کا انتظام کیا جاوے۔ چائے تیار ہوگئی۔ پیالے بانٹے گئے اور ایک چیلا سماوار لے کر پیالوں میں چائے ڈالنے لگا۔ کاک جی نے پیالہ تو پکڑ لیا مگر خود پہلے نہ لے کر مہمانوں سے چائے بانٹنی شروع کروائی۔ جوں ہی چیلا سماوار میں سے چائے ڈالنے لگا تو چائے ندارد۔ سبھا میں حیرانی چھا گئی کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ رامانند بہت شرمندہ ہوا۔ آخر کیا کر سکتا تھا دیگچے میں بھی دیکھا تو وہ بھی خالی۔ الغرض کاک جی نے اپنے ایک چیلے کو چائے تیار کرنے کو کہا۔ کاک جی کے پاس ایک چھوٹا سا سماوار تھا جس میں بمشکل تین پیالے پانی سما سکتے تھے۔ وہ سماوار اب بھی ہانگل گنڈ میں موجود ہے۔ چائے تیار ہوگئی اور اس سماوار میں سے اتنی چائے نکلتی رہی کہ سب مہمان اور ایرے غیرے چائے نوشی سے لُطف اندوز ہوئے۔ رآمانند کاک جی کی یہ کرامات دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور اُس کی رُوحانی عظمت کا قائل ہوگیا۔

للی آلیشوری کے درشن

کہتے ہیں کاک جی ایک بار اپنے ششوں کو للہ دید کے واکھ سُنا رہے تھے۔

اور تشریح بھی ساتھ ساتھ کرتے جاتے تھے۔ کسی جگہ یہ ایک واکھ کے مفہوم کو پوری طرح واضح نہ کر پائے تو للی ایشوری کا دھیان کرتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ للی ایشوری ایک خوبصورت لڑکی کے رُوپ میں دوڑتی آئی اور کاک جی کی گود میں بیٹھ گئی۔ کاک جی کی دانی کھل گئی اور وہ اپنے کام میں پھر مصروف ہو گئے۔ مگر لڑکی نے بار بار کاک جی کے کنٹوپ کو اُس کے سر سے ہٹانا چاہا۔ مگر کاک جی نے اپنی پوری طاقت سے اس کنٹوپ کو سر کے ساتھ چپٹائے رکھا۔ لڑکی پھر جلدی ہی غائب ہو گئی۔ یہ للہ دید ہی لڑکی کا اوتار دھارن کر کے آئی تھی اور کاک جی کو چولا اُتار پھینکنے کے لیے اپنی طرح میں مستانہ وار پھرنے گھومنے کو کہہ رہی تھی۔ اسی لئے اُس کے کنٹوپ کو ہٹانا چاہتی تھی کاک جی نے جھٹ سمجھ لیا کہ یہ لڑکی تو للہ دید ہے اور مجھے ایسا کہتی ہے مگر کاک جی گرہستیوں کے ساتھ رہ کر ہی اپنا کلیان اور دوسروں کا کلیان اور رہبری کرنا چاہتا تھا۔ کہتے ہیں اسی روز سے کاک جی کی وانی کھل گئی۔ وہ کہتے جاتے اور شِشیہ لکھتے جاتے!

گورو دیکھشا (ارشادِ مرشد)

کاک جی ایک سِدھ پُرش (کامل انسان) تھے۔ بھگوتی کی کرپا اور للی ایشوری کے ایک لڑکی کے رُوپ میں درشن ہی سے ان کو رُوحانی ارشاد حاصل ہوا تھا۔ اب دُنیاوی مرشد کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ پھر بھی رُوحانی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دُنیاوی مرشد (گورُو) کا فیض حاصل کرنا ناگزیر تھا۔ اس بارے میں بھی کئی روایات ہیں۔ مختصراً سرینگر کے ایک کاردار (پٹھانوں کے وقت میں علاقائی حاکم جو زرعی پیداوار کی دیکھ

بحال اور حساب و کتاب رکھنے پر مامور ہوا کرتے تھے) کو شری شارکا دیوی سے ارشاد ہوا کہ وہ ہانگل گنڈ جا کر مرزہ کاک کو گورو دیکشا (روحانی ارشاد) سے فیض یاب کرے۔ کاردار ہانگل گنڈ پہنچا اور کسی طرح مرزہ کاک ان کی سیوا (خدمت) میں لگ گیا۔ ان کے پاس مرزہ کاک کو رات بھر گھاس کی رسیاں بٹتے دیکھا گیا۔ ایک رات کاردار کے پوچھنے پر مرزہ کاک نے جواب دیا کہ میرے پاس روزانہ ۲۱,۶۰۰ گھاس کے تنکے ہوتے ہیں۔ ان ہی گھاس کے تنکوں کو ایک ایک گن کر رسی بٹنا ہوتی ہے۔ جب تک یہ پورے نہ ہوں، کام پورا نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں پر اس کا مطلب ریاضت سے تھا۔ یعنی دن رات ۲۱,۶۰۰ نفس (پران) ایک انسان اندر لیتا اور چھوڑتا ہے۔ اسی کے ساتھ نام سمرن (یادِ الٰہی) میں مشغول رہنا ہی ریاضت ہے۔ اس بارے میں کاک جی کا ایک واکھیہ ملاحظہ ہو:-

شِہ نفس گو اکھ پرانی — شیٹھ پران گیہ گری
شیٹھ گرہ دوہ تہ راتھی — بجھن نام رام راسے

(یعنی) چھ نفس ایک پران ہے۔ ۶۰ سٹھ پران ایک گھڑی اور ساٹھ گھڑی دن اور رات ہے۔ اسلئے (دن رات) رام کا نام جپنا چاہیئے۔

کاردار یہ جواب سن کر بہت حیران ہوا۔ مرزہ کاک کاردار کی بہت سیوا کرتا رہا اور ان کو اپنا گورو (مرشد) تسلیم کیا۔ اگرچہ کاردار مرزہ کاک کی روحانی عظمت کا قائل پہلے ہی ہوا تھا۔ پھر بھی حسب ارشاد بھگوتی مرزہ کاک کو اپنے حلقہ شاگردی میں شامل کر ہی لیا۔ اس طرح سے گورو دھارن کرنے کی دنیاوی روایت قائم رہی۔

شریر تیاگ (انتقال)

کاک جی کے بڑے بھائی بھولہ پنڈت ایک گرہستی تھے۔ اُن کے کئی لڑکے لڑکیاں تھیں۔ کاک جی بال برہمچاری تھے۔ اُن کے شریر تیاگنے کا سمے بھی آن پہنچا۔ آخر ایک روز کاک جی نے بھولہ پنڈت کو اپنے پاس بُلوا کر کہا کہ اب میرے اس سنسار سے رخصت ہونے کا وقت آیا ہے۔ اس میں کچھ دُکھ نہ منانا۔ اور نہ کسی قسم کا فضول آڈمبر رچانا۔ بھولہ پنڈت نے کہا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بڑا تو میں ہوں اس لئے مجھے ہی پہلے جانا چاہیئے۔ اس پر کاک جی نے کہا۔ وہ تو سچ ہے مگر آپ پر تو گرہستھ کی کافی ذمہ واری ہے اس لئے مجھے ہی پہلے آگیا دیجئے۔ الغرض جیشٹھ کرشنہ پنچ دوتیا کے دِن چھیاسی (۸۶) برس کی عمر میں کاک جی نے سنان دھیان، پوجا پاٹھ اور نیتہ نیم سے فارغ ہو کر رام کا نام جپتے ہوئے درب آسن پر بیٹھ کر اپنے آتما کو پرماتما کے ساتھ لین کر دیا۔ اس بارے میں فارسی کے دو شعر ملتے ہیں ؎

چوں زِ گلگشت جہاں آرام جُست آں جانِ جاں

کاک مرزا شاہِ عرفان گام زد بر لامکاں

یوم شنبہ روزِ دُوی در کرشنہ پنچ ہنگام جیشٹھ

در سنِ ہشتاد و شش (۸۶) فرمودہ اند انتر دھیان

از کمالِ اختیاری مُکت گشت ہاتف بلے

چیت بچیت لین و واصل پرم آنند شد مکاں

۱۸۹۱ بکرمی

کاک جی کے شریر تیاگ کے بعد ہر برس اس دِن ہانگل گنڈ میں ایک بڑا بھاری یگیہ رچایا جاتا رہا۔ اور اب بھی ہر گھر میں انفرادی طور کھیر وغیرہ پکائی جاکر پرشاد بانٹا جاتا ہے اور ایک گھر میں نیم پور وک ہون بھی رچایا جاتا ہے۔ کاک جی کی سمادھی پر خوب میلہ لگتا ہے۔ کاک جی کے معتقد اور شردھالو لوگ دُور دُور سے اس شُبھ دِن پر یہاں آ کر اپنی عقیدت کے پھول بھینٹ کرتے ہیں۔ کاک جی کے ذاتی استعمال کی چند ایک چیزیں اب بھی ہانگل گنڈ میں چند گھرانوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں اُن کا کنٹوپ، کھڑاؤں، چھڑی، سماوار کھوس اور ایک گڈوی شامل ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہاں کاک جی کے نام پر ایک یادگاری ٹرسٹ قائم کیا جاتا جہاں پر ان کی قیمتی یادگاری اشیا محفوظ رہتیں اور اُن کی سمادھی کی دیکھ ریکھ اس ٹرسٹ کے ذمہ رہتی۔

واکھیہ (منظوم کلام)

کہنے کو تو کاک جی اَن پڑھ تھے مگر رُوحانیت کی بلندی کے لحاظ سے کاک جی نے سب کچھ ایک گھونٹ میں پی لیا تھا۔ اُن کے واکھیہ تو اُن کی رُوحانی عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ ویدوں، اُپنشدوں اور شاستروں کا لُبِ لباب اور نچوڑ اُن کے واکھیوں میں بھرا پڑا ہے۔ اُن کی بھاشا مِلی جُلی ہے۔ اُن کے کلام میں کشمیری کے علاوہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ اُن کے چیلوں، شِشوں اور معتقدوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ جو کچھ وہ زبان سے کہتے گئے اُن کے شِشہ ان کو نوٹ کرتے گئے۔ اُن کا کلام فارسی رسم الخط میں ملتا ہے۔ کئی واکھیہ تو ایسے لگتے ہیں کہ وہ بالکل کسی ویدک رچا کا یا کسی اُپنشد کے سُوتر کا ہُوبہو ترجمہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ

کاک جی ان ویدوں، اُپنشدوں وغیرہ کے عالم تھے۔ ویسے تو تھے بھی رُوحانی بلندی کے لحاظ سے۔ جب رُوحانیت کا نُور اندر سے چمک اُٹھتا ہے تو ان پڑھ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ کاک جی کے واکھیوں میں ایک جگہ ملتا ہے ؎

اوم گُرکمانی زیٖوِہِ نراں تیرِئی ـــــ نشانہ برہمئی بجھن نام رامہ راسے

اُس کے مقابلے میں سنسکرت کا ایک شلوک ملتا ہے ؎

پرنوو دھنو۔ کھرو ہیہ آتما ـــــ برہم تت لکھیم اُچیتے

یہاں پر ہم "مُشتے نمونے از خروارے" کے طور پر چند بھجنوں کے کچھ واکھیہ (کلام) پڑھنے والوں کی واقفیت کے لئے درج کرتے ہیں:۔

بجھن نام رامہ راسے

پرنو گو عین سہ گُن	گُونہ سُست رُوونہ منگلور
اتیت گُن اوم پُرُش	بجھن نام رامہ راسے
عُمر تیر تہ کتھہ گژھہ نیرِتھ	یم ترِ نوسے ین نہ پھیرِتھ
روزُن گژھہ یژونٹھ سُرِتھ	بجھن نام رامہ راسے
بھکتس دِیے چھُ ژھارُن	بلکہ تورِ پتہ لارُن
کچھہ منزہ تس چھُ گارُن	بجھن نام رامہ راسے

رامہ رامہ ربہ پربہ جی

کرم شیرتے یوگ عُبرات	سادہ سنگ تھۆن منزہ سئی
گیان گیوئی مُشک وِگیان	رامہ رامہ ربہ پربہ جی
پاٹھئی پران پالُن مٹھم	لیکھان لیکھان رُوٹھم دِلی
ذکرِہ سیتی صاحب ڈوٹھم	رامہ رامہ ربہ پربہ جی

زان ایشر پرمہ ایشر سوٗہی سوٗہی

پُز ایشر، پزہ پُز پرمیشری
پُز گیان پزہ پُز دِگیان سوٗہی

پُز نادی، پزہ پُز بِند سوٗہی
زان ایشر پرمہ ایشر سوٗہی سوٗہی

دِتہ تاجیٖ رازہ زنکہ سائی کھی
کرتہ بھکتی بھکتہ پرہلاد سائی کھی

کرتہ گرہستہ سودِہ وُدانِ چھوٗی سائی کھی
زان ایشر پرمہ ایشر سوٗہی سوٗہی

تیوٗتھ ورمہ دِتم دِیوو

بوٗمہ زوٗیوک یوٗ سے سادا
تمِس تورَے توٗیتھ نادا

تم پوتِلن کرُی سیوو
تیوٗتھ ورمہ دِتم دِیوو

ہرِ ژندر ازس اوس پوزوٗی
تمہٕ تور کُن ناموش نیوٗہی

گژھت زوٗدم کاوٗج گرسے
تیوٗتھ ورمہ دِتم دِیوو

رُمہ ریشُن آسے

حضرتِ آدم برہماہس نِشے ساری درائے
کینہہ ذات اصل، کینہہ کم ذاتی، تِم کس زائے

بیوٗل شِدہ برہم کنوٗی چھو ُبتہ کیاہ سنہ چھہ ژہائے
ہُشانت زِیوو ژِہ شانت رُمہ ریشُن آسے

یِم ستہ ریشی، تمِ کس ملچے گبر زائے
مُنج چھہ کمینہ تِم کمہ لخنہٕ اصل زائے

آتز آنہٕ گوٗم برہماہس نِشے ستنگ نیلے
ہُشانت زِیوو ژِہ شانت رُمہ ریشُن آسے

یار بٰا

گتہِ ژھانڈت، کتہِ گارت یار بٰا
چھوٗکہ زنگم کنہ تھاور یار بٰا

گرم وینتھارات دوہے نِت سدا
سوٗہی بیدار کس چھہ زانی یار بٰا

چھم الف اللّٰہ بے پرواخود خدا
سوٗہی سوروٗی انٛد روٗزِتھ یار بٰا

شہ دیور مُسلمانی گُفت مشید
مشرہ نماز، پوٗز دیور یار بٰا